Fikr-o-Nasar (Islamabad) 7:3 (1969)

شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل

طفیل احمد قریشی

انسان کھانے پینے اور دوسرے فطری تقاضوں میں دوسرے حیوانوں کی طرح ہے[1]۔ وہ جب پیدا ہوتا ہے تو دودھ کے لئے چیخ پکار کرتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو خوراک اور دوسری بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے زندگی میں جدوجہد کرتا ہے۔ اور آسودہ (خوشحال) زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ پھر مذہب اور اخلاق اس کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے اندر انسانی خوبیاں پیدا کرے اور اچھے لوگوں کی طرح رہے۔ شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ اگر انسان بدحال اور تنگدست ہو تو مذہب اور اخلاق کے تقاضوں کو بالکل پورا نہیں کر سکتا۔ اس لئے انسان کے لئے خوشحال زندگی (ترفہ) کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے اس کی عادتیں اور مزاج بھی درست ہوں گے۔ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے بھی وہ اچھا انسان ہو گا۔ اور اچھے انسانوں کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہوں گی[2]۔ آپ کے خیال میں انسان کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ معاشی طور پر خوشحال ہے یا بدحال۔ کیونکہ خدائی منشا یہ ہے کہ

"اس دنیا میں کوئی شخص ان چیزوں کے بغیر (باقی) نہ رہے جن کی ایک متمدن زندگی میں انسان کو ضرورت ہوتی ہے"[3]

معاشیات کی تعریف انسان کی کچھ بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ مختلف وسیلوں سے دولت حاصل کرتا ہے۔ اس کی بنیادی ضرورتیں کیا ہیں؟ ان کو پورا کرنے کے لئے وہ دولت کن وسائل سے پورا کرتا ہے؟ ان وسائل کی ملکیت کے بارے میں اس کا تصور کیا ہے؟ پھر یہ حاصل شدہ دولت افراد میں کس طرح تقسیم ہوتی ہے؟ یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں اس علم (معاشیات) کا موضوع ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس علم کے انہی موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ رہن سہن (معاشرت) کے علم پر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۷۹۔ [2] ایضاً ص ۲۲۲۔ [3] ایضاً جلد دوم ص ۲۱۰۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

"معاشرتی آداب کے فن" (فن آداب المعاش) کے عنوان سے قلم اٹھاتے ہیں اور اقتصادیات یا معاشیات کے علم کو "معاملات کے فن" (فن المعاملات) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ علم انسان کے معاشی اشیاء کے تبادلے کے نظام (معادلات) انسانوں میں امداد باہمی (معاونت) کے قیام اور روزی کمانے کے ذریعوں (اکساب) سے بحث کرتا ہے۔[۱]

آپ اپنی تحریروں میں اس علم پر لکھتے ہوئے، انسان کی بنیادی ضرورتوں (حاجاتِ اصلیہ)، دولت کی ملکیت کے تصور، دولت کی پیداوار کے ذرائع، امدادِ باہمی (معاونت)، پیشوں، معیارِ زندگی، دولت کے استعمال وغیرہ کو بحث کا موضوع بناتے ہیں۔

ملکیت کے تصور کی ابتداء شاہ ولی اللہؒ انسانی زندگی کے رہن سہن اور اس میں تبدیلیوں کا تاریخی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کو وہ "ارتفاقات" کہتے ہیں۔ انسان نے پہلے پہل اپنی زندگی کی ابتدار کس طرح کی؟ اس کی تشریح وہ ارتفاق اوّل کی بحث میں کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

انسان نے اس زمین پر جب اپنی تمدنی زندگی کا آغاز کیا تو اس کے پاس صرف قدرتی وسائل یعنی زمین، دریا، پہاڑ، جنگل اور حیوانات تھے۔ اپنا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں نے قدرت کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ چونکہ ایک شخص ساری نعمتوں سے ایک ہی وقت میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا اس لئے یہ بات لازمی ہو گئی کہ انسان ایک دوسرے کی ضروریات (حاجات) پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔[۲] ایک شخص زمین کھودنے کے اوزار بنائے تو دوسرا زمین کھود کر کھیتی باڑی کرے۔ تیسرا ان دونوں کو دودھ اور گوشت فراہم کرنے کے لئے مویشی پالے اور چوتھا ان سب کے لئے لباس تیار کرے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے لین دین کی مختلف شکلیں بنیں اور اس طرح چیزوں کے تبادلے (مبادلت) کا نظام وجود میں آیا۔[۳] انسانوں میں لوگ اچھے بھی پیدا ہوتے رہے اور بُرے بھی۔ ان میں بعض سُست و کاہل بھی پیدا ہوئے جنہوں نے بیٹھے بٹھائے روزی حاصل کرنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ کچھ لوگ ان میں لالچی اور حریص بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی زمینوں ہی پر بس نہیں کی بلکہ دوسروں کی زمینوں پر قبضہ شروع کر دیا۔ اس قسم کے لوگوں کو قابو میں لانے کے لئے ان سے بڑے سردار (زمیندار) پیدا ہو گئے۔ اس طرح ایک طرف زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔

---

۱ حجۃ اللہ البالغہ، جلد اوّل صفحہ ۸۸۔ ۲ ایضاً جلد دوم صفحہ ۲۲۰۔ ۳ ایضاً جلد اوّل صفحہ ۸۸

دوسری طرف وہ لوگ جو اُن کی مدد کرتے تھے اور ضرورتیں پوری کرنے میں ایک دوسرے کے شریک تھے، مزدور بن کر رہ گئے۔ اب معاون کی جگہ مزدور بن گئے اور تبادلے کی بجائے مزدوری ملنے لگی۔ ان زمینداروں میں جو سب سے بڑا زمیندار ہوتا تھا، وہ سردار کہلانے لگا۔ اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کو اپنے ماتحت رکھنے، انھیں سزائیں دینے کے لئے وہ کچھ لوگوں کو ملازم رکھنے لگا۔ انہوں نے اس کی فوج کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح جوں جوں انسانی تمدن میں ترقی ہوتی گئی، لوگ عیش وعشرت میں غرق ہوتے گئے[1]۔ اور پھر زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس ان میں تیز تر ہونے لگی۔ اور ہر شخص ذاتی ملکیت بڑھانے میں مصروف ہو گیا۔

ملکیت کی ہوس کے نتائج ہزاروں سال تک جب انسانوں میں اپنی ملکیت کو بڑھانے اور دوسروں کے حقوق غضب کرنے کا رجحان رہا تو معاشرے نے ایک خاص شکل اختیار کر لی اور اس سے جو نظام پیدا ہوا اس کی خصوصیت شاہ صاحبؒ کے خیال میں یہ ہو گئی کہ

۱ ۔ لوگ آخرت کو بھول گئے اور شیطان ان پر غالب آگیا۔

۲ ۔ دولت کو مزید دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے اور اسے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے استعمال کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔

۳ ۔ بڑا آدمی بننے کے لئے لاکھوں روپے کا تاج اور پیٹی، بلند محل، حمام، باغات، گھوڑوں، مزین لباس اور غلاموں کا ہونا ضروری سمجھا جانے لگا۔

۴ ۔ عیش وعشرت اور تکلفات اس معاشرے میں عام ہو گئے۔

۵ ۔ غریبوں، کاشت کاروں اور دوکان داروں اور دوسرے پیشہ وروں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جانے لگے۔

۶ ۔ مزدوروں، غریب لوگوں پر سختی ہونے لگی ان کی قدر وقیمت گدھے اور بیل کی سی ہو کر رہ گئی جن کو امیر لوگ "دولت" پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ انہیں صرف اتنا کھانے کو ملتا کہ زندہ رہ سکیں اور صرف اتنا آرام کرنے کی مہلت ملتی کہ آئندہ کام کرنے کے لئے تازہ دم ہو سکیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۔ جلد اوّل صـ ۸۸ ۔ ۸۹ ۔

۷ - غریبوں اور مزدوروں کی معاشرہ میں کوئی عزت نہیں سمجھی جاتی تھی۔
۸ - اس معاشرہ میں بے کار اور نکمّے لوگ پیدا ہو گئے جن کا کام بڑے لوگوں کی خوشامد ہوتا تھا جس کی بدولت وہ ان کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔[1]

دولت کی تقسیم کے اس نظام کو شاہ ولی اللہؒ "قیصر و کسریٰ کا نظام" کہتے ہیں۔ اور عالمی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ تمام برائیاں ان تہذیبوں میں موجود تھیں جن پر انسان فخر کرتا ہے۔ ایران اور روم کی سلطنتیں ان تمام برائیوں کا ملغوبہ تھیں۔[2]

آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد | دولت کے اس غاصبانہ نظام پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب انسانیت پر اس قسم کے مصائب بڑھ گئے اور یہ (معاشرتی) برائیاں اور زیادہ ہو گئیں تو خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپؐ کے نظام کو دنیا کی ھدایت کے لئے میزانِ عدل (انصاف کی ترازو) قرار دیا۔ اور اس نبیؐ کے ذریعے خدا نے یہ بات طے کر دی کہ آپؐ کے "دولت" کے نظام سے ان (سرمایہ داروں) کے دولت کے نظاموں کو ختم کر دیا جائے آپؐ کی حکومت ان کی (جاگیردارانہ) حکومتوں کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ آنحضرتؐ کے نظامِ "دولت" اور نظامِ "حکومت" سے قیصر و کسریٰ ہلاک ہو گئے۔ اب نہ کوئی قیصر ہوگا اور نہ کسریٰ۔[3]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صفحہ ۲۶ - ۲۲۴ - (۱) ونسوا الدار الاخرۃ واستحوذ علیهم الشیطان (۲) تعمقوا فی موافق المعیشۃ وتباهوا بها۔ (۳) انهم کانوا یعیرون من کان یلبس من صنادیدهم منطقۃ او تاج الخ...... (۴) فدخل علی ذلک فی اصول معاشهم الخ (۵) ولا تحصل تلک الاموال الا بتضعیف الضرائب علی الفلاحین والتجار الخ.... (۶) جعلوهم (الفلاحین وغیرها) بمنزلۃ الحمیر والبقر یستعمل فی النضح والدیاس و الحصاد ولا تفعتی الا لیستعان بها فی الحاجات ثم لا تترک ساعۃ من الضاد۔ (۷) حتی صادو لا یرفعون رؤسهم الخ (۸) وتتوقف مکاسبهم علی صحبۃ الملوک والرفق بهم وحسن المحادرۃ معهم وتملق منهم وکان ذلک هو الفن الذی تتعمق افکارهم فیه وتضیع اوقاتهم معه الخ...... [2] ایضاً جلد دوم صـ ۲۱۷۔ [3] ایضاً جلد اول صـ ۲۲۶-۲۲۷۔

مسلمانوں کا ماضی اور حال شاہ صاحبؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے آپ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ دولت کی تقسیم کے غلط تصورات انسانوں میں پیدا ہوئے جن کی وجہ سے معاشرے میں بیماریاں پھیلیں اور وہ انسانیت کے بدن پر اس قدر پھیل گئیں کہ قدرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ فوراً ان کا علاج کیا اور قیصر و کسریٰ کے نظام کو ختم کیا۔ آپؐ نے اس کی جگہ ایک ایسا نظام دیا تھا جس سے ہر شخص امن اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتا تھا اور دنیا سے غربت، افلاس، جہالت اور ذاتی مفاد جیسی بیماریوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ——— آپؐ کے بعد اس مشن کو کچھ عرصے تک تو لوگوں نے خوب اچھی طرح چلایا مگر جب ذاتی مفادات، دولت کی فراوانی اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس وغیرہ قسم کی باتیں مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں تو لوگوں نے یہ راہ پھر چھوڑ دی اور اسی قیصر و کسریٰ کے نظام کو اپنا لیا۔ فرماتے ہیں:-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت ختم ہو گئی اور وہ خلافت جس میں مسلمانوں کے درمیان باہم قتال نہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہو گئی۔ اور خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہو گئی۔ اور تکلیف دہ حکومت صحابہ کے ساتھ بنو اُمیہ کے جھگڑے ہیں اور ان کی سختیاں ہیں یہاں تک کہ معاویہ کی حکومت قائم ہو گئی اور جبر اور سرکشی بنو عباس کی خلافت ہے کیونکہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے رسوم و رواج کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی۔" [1]

شاہ صاحبؒ نے ان مختصر اور جامع الفاظ میں مسلمانوں کی پانچ سو سالہ سیاسی تاریخ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کا حال ان کے ماضی سے بھی خراب ہے۔ قیصر و کسریٰ کے نظام کی ساری باتیں ایک ایک کر کے آج ان میں پائی جاتی ہیں۔ اپنے دور کے مسلمان بادشاہوں اور جاگیرداروں کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"ان (امیروں اور بادشاہوں) کی حالت اگر تم دیکھ لو تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کے نظام اور ان کے حالات بتانے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔" [2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۵۸۴

[2] ایضاً جلد اوّل ص ۲۲۵

دولت کی پیداوار کے وسائل اور ملکیت

جیساکہ پہلے بتایا جاچکا ہے شاہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ جوں جوں انسان کی ضرورتیں بڑھتی گئیں اور اس میں "میری" اور "تیری" چیز کا خیال پختہ ہوتا گیا، اسی قدر اس میں خدا کی نعمتوں کو اپنی ملکیت بنانے کا جنون بھی بڑھتا گیا۔ اس طرح طاقت ور کامیاب ہوگیا اور کمزور اس کے ظلم کا شکار ہوگیا۔ اس بات کو آپ نے کہیں تو انسان کی نفسیات پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور کہیں تاریخِ عالم کا جائزہ لیتے ہوئے دُہرایا ہے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اور کہیں اپنے زمانے کے حالات پر تنقید کرتے ہوئے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[۱]۔

دولت کی اصل بنیاد قدرتی وسائل ہیں، ان کے بعد زراعت انسانی دولت کی پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ زراعت سے تجارت و صنعت وجود میں آتے ہیں ان تینوں وسائل کو کام میں لانے کے لئے کچھ پیشے بن جاتے ہیں اور پھر یہ دولت، محنت اور تنظیم سے معاشرے میں مہیا ہوتی ہے۔ اس کو اپنے اپنے گھروں میں کون لے جاتا ہے؟ اور کتنا لے جاتا ہے؟ یا حقیقت میں اسے کس طرح تقسیم ہونا چاہیئے؟ یہی وہ سوال ہیں جن سے ملکیت کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ ان (قدرتی، زرعی، تجارتی اور صنعتی) وسائل پر خوب بحث کرتے ہیں۔ اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

قدرتی وسائل کوئلہ، فولاد، سیسہ، سونا، چاندی، نمک اور دوسری معدنیات کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ آج دنیا میں سینکڑوں پیشے ان معدنیات کی بدولت وجود میں ہیں اور دنیا کے اہم ترین کاروبار انہی کی بدولت چلتے ہیں۔ دنیا میں جہاں جہاں ان پر اجتماعی ملکیت کی بجائے کسی ایک شخص یا چند لوگوں کی اجارہ داری ہے وہاں دولت کی تقسیم بھی غیر منصفانہ ہے۔ اور انسانوں کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ معدنیات جن میں (خود انسان کو) مشقت نہ کرنی پڑے کسی ایک شخص کی ملکیت میں نہیں دیئے جا سکتے، اگر ایسا کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عام لوگوں (مسلمانوں) کو نقصان پہنچایا گیا ہے اور ان پر ظلم کرکے ان پر (دولت کی) تنگی کی گئی ہے[۲]۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا

---

[۱] ملاحظہ فرمایئے حجۃ اللہ البالغہ کے ابواب الارتفاق الاوّل، تدبیر المنزل، فن المعاملات، سیاسۃ المدنیہ، اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم، ابتغاء الرزق، وغیرھم والبدور البازغۃ ابواب الحکمۃ الاکتسابیہ، وجوہ فساد اھل المدینہ وغیرھا۔ [۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صہ ۳۱۲

ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ابیض بن حمال ماربی کو ان کے علاقے مارب کا نمک (یعنی نمک کی کان) دے دیا۔ آپؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہؐ آپؐ نے تو انہیں (دولت کا) چشمہ عطا کر دیا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے والا (راوی) کہتا ہے کہ آپؐ نے وہ نمک فوراً اُن سے واپس لے لیا۔ [1]

پانی پانی انسان کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پینے کے علاوہ انسان اس سے زراعت، صنعت و حرفت اور گلہ بانی وغیرہ میں فائدہ اُٹھاتا ہے۔ قدرت نے اپنی یہ نعمت دریاؤں، تالابوں اور چشموں کی صورت میں عطا کی ہے۔ اس نعمت پر اگر کسی ایک شخص یا چند لوگوں کا قبضہ ہو جائے تو عام انسانوں کی بہت سی ضرورتیں رُک جائیں اور قبضہ کرنے والا گروہ لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر بے انتہا دولت کا مالک ہو جائے۔ شاہ ولی اللہؒ نے قدرت کی اس نعمت کا سب لوگوں کے لئے استعمال جائز (مباح) قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی اس نعمت پر قبضہ کر لے تو وہ ظالم ہے وہ خدا کے مال میں بغیر کسی حق کے اپنا تصرف کرتا ہے اور لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے[2]۔ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں شاہ صاحبؒ آنحضرت صلعم کا ایک فرمان نقل فرماتے ہیں جس میں آنحضرتؐ نے اپنی ضرورت سے زائد پانی بیچنے کو منع فرمایا ہے[3]۔ چنانچہ دریا اور چشمے وغیرہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتے بلکہ وہ سب لوگوں کی (اجتماعی) ملکیت ہیں۔

جنگلات اور گھاس زمین کے کچھ حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں ایک چھوٹا سا جنگل ہوتا ہے۔ اس میں لمبی لمبی گھاس ہوتی ہے اور مختلف قسم کی جھاڑیاں بھی ہوتی ہیں۔ جنگلی درختوں کے ساتھ اس میں جنگلی جڑی بوٹیاں بھی اکثر پائی جاتی ہیں۔ اصطلاح عام میں ان کو چراگاہیں ("رکھا" یا "رکھ") کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے خیال میں یہ چراگاہیں بھی سب لوگوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو اپنی ملکیت بنا کر دوسرے لوگوں کو ان کے استعمال سے روکتا ہے تو شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک وہ ظلم کرتا اور انسانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور لوگوں پر (قدرتی دولت کی) تنگی کرتا ہے[4]۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا چراگاہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی"[5] اس لئے اجتماعی صورت میں اس قسم کی چراگاہوں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۱۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۰۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً صفحہ ۲۱۱۔ [5] ایضاً۔

سے فائدہ اُٹھایا جائے ۔

چنانچہ قدرتی وسائل جن سے "دولت" پیدا ہوتی ہے، کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتے بلکہ شاہ صاحبؒ کے خیال میں ان پر سب لوگوں کا برابر کا (اجتماعی) حق ہے۔ جو شخص بھی ان پر قبضہ کرتا ہے وہ ظالم ہے اور لوگوں کی دولت کو غصب (ڈنگ) کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ قدرتی وسائل کسی کے ہاتھ کی کمائی نہیں ہوتے بلکہ خدا کا فضل ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں جو زبردستی ان قدرتی وسائل پر اپنی ملکیت قائم کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ آنحضرت صلعم کا ایک قول نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا "خدا تعالیٰ (قیامت کے روز) فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جس طرح تو نے اس چیز (یعنی قدرتی وسائل) کے فضل سے روکا تھا جو تیرے ہاتھ کی کمائی نہ تھی۔" [1]

زرعی وسائل | زمین کی ملکیت کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے خیالات کی بنیاد آپ کا "عمرانی عدل" (معاشرہ میں صحیح انصاف) کا فلسفہ ہے، جس کی روح یہ ہے کہ نہ تو دوسروں پر ظلم کرو اور نہ ظلم ہونے دو[2] آپ کے نزدیک فلسفہ "ملکیت" کا دار و مدار انسان کی "قابلیت" اور اس کی "محنت" پر ہے[3]۔ اور ان جائز ذرائع پر ہے جو قدرت نے انسان کو فطری طور پر عطا کئے ہیں۔

عدل عمرانی کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے زمین کی ملکیت کے مسئلہ پر چند بنیادی باتیں کہی ہیں۔ انہیں آپ نے کسی ایک بحث کے تحت نہیں بیان فرمایا ہے۔ مختلف ابواب میں اس سلسلے میں آپ نے جو فکر ہمیں بخشا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:-

۱ ۔ زمین کی حقیقی ملکیت :۔ زمین کا حقیقی مالک صرف اور صرف خدا ہے[4]

۲ ۔ انسانوں کے لئے زمین کی حیثیت :۔ خدا کی یہ ساری زمین سب انسانوں کے لئے ایک مسجد اور سرائے کی طرح وقف ہے۔ جس طرح ایک وقف میں سب مسافروں کو فائدہ اُٹھانے کا پورا پورا حق ہوتا ہے اسی طرح سب لوگ خدا کے اس وقف (زمین) سے فائدہ اُٹھانے میں برابر کے شریک ہیں[5]۔

۳ ۔ زمین سے فائدہ اُٹھانے کا اُصول :۔ خدا کی زمین سے فائدہ اُٹھانے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زمین

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم ص۱۰۳ ۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ۔ جلد دوم ۔ [3] تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص۲۱۸ ۔
[4] حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم ص۱۱۱ ۔ [5] ایضاً ۔

اجتماع (خلیفہ یا حکومت) کے پاس چلی جائے اور پھر وہ افراد کی اہلیت اور ان کی محنت کے مطابق اس کو تقسیم کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو شخص اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو، اسی کو اس کی دیکھ بھال اور معاملات کا ذمہ دار بنا دیا جائے۔ اس صورت میں جو پہلے اپنے تصرف میں لائے، وہی اس کا حق دار ہوگا۔ نہ اس کو تنگ کیا جائے نہ اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے[۱]۔ بلکہ آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق یہ اصول بنا لیا جائے کہ "جس نے غیر آباد زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے"[۲]۔

۴ ۔ ملکیت کا مفہوم:۔ جو شخص خدا کی زمین اپنے تصرف میں لا رہا ہے۔ اور اس زمین کے معاملات کا ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کا مالک ہے تو شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس ملکیت سے مراد یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت اس زمین سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے[۳]۔

۵ ۔ کاشت کاری یا معاہدۂ منفعت زرعی:۔ ملکیت کی اصلی بنیاد تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں سے فصل بوئے اور کھیت میں کام کرے۔ لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک انسان کسی مجبوری یا اور وجہ سے خود کھیت میں کام نہیں کر سکتا۔ لیکن (جسمانی) کام کے علاوہ اس کھیت کی دوسری (قانونی) ذمہ داریاں قبول کرتا ہے۔ وہ اگر کسی دوسرے شخص سے اس زمین میں "محنت" (جسمانی کام) کرنے کا معاھدہ کرے تو اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کو مزارعت کہتے ہیں۔ اس میں دونوں معاہدہ کرنے والے (متعاقدین) پیداوار میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح باغات کے معاملے میں دو آدمیوں کے درمیان معاھدہ ہوتا ہے وہ اس طرح کہ درخت تو ایک آدمی کے ہوتے ہیں اور دوسرا آدمی انہیں پانی دیتا ہے اور ان کی دیکھ بھال کرتا ہے جب پھل پک کر اتریں تو دونوں آپس میں بانٹ لیں گے۔ چنانچہ زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس قسم کے زرعی معاہدوں (مزارعت، مخابرت، مساقات وغیرہ) کا شاہ ولی اللہؒ بھی ذکر کرتے ہیں[۴]۔

——— (مسلسل) ———